درس ۲۲

سیرت طیبہ میں

صبر و مصابرت کے مختلف ادوار

سورۃ الکہف کی آیات ۲۷ تا ۲۹ کی روشنی میں

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتٰبِ رَبِّکَ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا ؕ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُھْلِ یَشْوِی الْوُجُوْہَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝﴾ ...... صدق اللّٰہ العظیم

ہمارا آج کا درس اگرچہ صبر اور مصابرت فی سبیل اللہ کے نقطۂ نگاہ سے نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ایک خاص دور اور آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کے ایک اہم باب کے مطالعے سے متعلق ہے تاہم اس کے لئے سورۃ الکہف کی یہ تین آیات (۲۷ تا ۲۹) عنوان کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''اور تلاوت کرتے رہو (اس کلام کی) جو کہ وحی کیا گیا ہے تمہاری جانب تمہارے پروردگار کی کتاب میں سے۔ اُس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں۔ اور تم اس کے سوا اپنے لئے کوئی اور پناہ گاہ نہ پا سکو گے۔ اور روکے رکھو اپنے

© rasailojaraid.com

آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے ربّ کو صبح و شام‘ جو اس کی رضا جوئی ہی کے خواہاں ہیں‘ اور تمہاری آنکھیں ان سے متجاوز نہ ہوں‘ دُنیوی زندگی کی زینت کی طلب میں۔ اور مت کہنا مانو اس کا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو پیروی کر رہا ہے اپنی خواہش نفس کی اور اس کا معاملہ حدود سے تجاوز پر مبنی ہے۔ اور کہہ دو کہ یہ سراسر حق ہے تمہارے ربّ کی جانب سے‘ تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہم نے تیار کی ہے ان ظالموں کے لئے ایک بڑی آگ‘ اس کی قناتیں انہیں اپنے گھیرے میں لیں گی۔ اور اگر یہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو کھولتے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا‘ جو جھلس کر رکھ دے گا ان کے چہروں کو۔ بہت ہی بری ہو گی وہ پینے کی چیز اور بہت ہی برا ہو گا وہ انجام جس سے وہ دوچار ہوں گے۔“

یہ بات سابقہ درس میں واضح کی جا چکی ہے‘ اور ویسے بھی اس منتخب نصاب کے بحیثیتِ مجموعی مطالعے سے یہ بات بالکل مبرہن ہو چکی ہے کہ قرآن مجید کی دعوت ایک انقلابی دعوت ہے ـــــــ دعوتِ ایمان یعنی اللہ‘ آخرت اور رسالت پر ایمان کی بنیاد پر ایک بھرپور انقلابی دعوت۔ بقول حالی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؑ
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

پھر اس دعوت کی بنیاد پر ایک مضبوط جماعت کی تشکیل اور اس کی تربیت‘ پھر ماحول سے تصادم کا معاملہ‘ پھر اس تصادم کا مختلف ادوار سے گزر کر اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے بالفعل نفاذ و قیام پر منتج ہونا‘ یہ ہے خلاصہ اور لب لباب اس عملی جدوجہد کا جس کا نقشہ ہمیں سیرتِ طیبہ میں نظر آتا ہے اور جس کے خطوط ہمیں آیاتِ قرآنی میں ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے یہ معاملہ نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ مجرد دعوت و تبلیغ کے کام میں یا بدھ مت کے بھکشوؤں کے مانند صرف اخلاقی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں وہ مراحل نہیں آیا کرتے جو کسی انقلابی دعوت میں آتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا اٹھان آغاز ہی سے ایک انقلابی

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

دعوت کا تھا۔ یہ بات اس سے قبل عرض کی جا چکی ہے کہ اس کے خلاف پہلا ردِعمل اس وقت کے ماحول کی جانب سے استہزا اور تمسخر کی شکل میں ہوا‘ چٹکیوں میں بات کو اڑانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلی تلقین جو آنحضور ﷺ کو کی گئی وہ یہی تھی کہ اے نبی! جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے‘ اسے جھیلئے اور ثابت قدم رہئے:

﴿ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاہۡجُرۡہُمۡ ہَجۡرًا جَمِیۡلًا ۝﴾ (المزمل: ۱۰)

سابقہ درس میں یہ بات بھی بیان ہوئی تھی کہ اگرچہ حضور ﷺ کی دعوت کا رخ اس وقت کی سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات کی طرف تھا لیکن ابتداءً جن لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور نوجوانوں کے طبقے سے تھی۔ چنانچہ ان کے معاشرے میں تشدد اور ایذا (Persecution) کا اوّلین ہدف یہی دو طبقات بنے۔ تشدد اور ایذا رسانی کا یہ معاملہ سن چار تا چھ نبوی کے دوران اپنی پوری انتہا کو پہنچا اور اسی کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت ملی۔ ہجرتِ حبشہ سے وقتی طور پر حالات میں بہتری پیدا ہوئی جیسے کہ کسی بوائلر سے اگر بھاپ خارج ہو جائے تو اس کی اندر کی ہلچل میں سکون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ بہت سے مسلمان ہجرت کر گئے لہٰذا کشمکش اور تصادم کی وہ فضا وقتی طور پر کچھ ٹھنڈی پڑی اور مختلف گھرانوں میں اہل ایمان پر تشدد کا جو معاملہ جاری تھا اس کی شدت میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اب ساری مخالفت مرتکز ہو گئی خود محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر!

آنحضور ﷺ کی شخصی مخالفت

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ وہ معاملہ بہرحال نہ ہو سکتا تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا یا جو حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ اور آلِ یاسر رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آیا۔ یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ جس وقت آلِ یاسر (رضی اللہ عنہم) پر ابوجہل دست درازیاں کرتا اور انہیں تشدد کا نشانہ بناتا

© rasailojaraid.c

تھا، حضور ﷺ کا اگر ان کے سامنے سے گزر ہوتا تو آپ انہیں صبر اور استقامت کی تلقین فرماتے۔ گویا صبر کا وہ حکم جو آنحضور ﷺ کو اللہ کی جانب سے پیہم مل رہا تھا آپؐ اسی کو ان الفاظ میں آلِ یاسر (رضی اللہ عنہم) کی جانب منتقل فرما دیتے تھے کہ: اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ ''کہ اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو، اور اطمینان رکھو کہ تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے''۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ اس طرح کے جسمانی تشدد کا کوئی معاملہ شخصاً محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کی وجہ بھی سمجھ لیجئے! دیکھئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی کامل ہے اور قدرت بھی۔ وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ ہے۔ وہ جو کرنا چاہتا ہے اس کے لئے مناسب حالات پیدا فرماتا ہے۔ جس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت حضور ﷺ کے ظاہری غنا اور خوشحالی کا سبب بن گئی ﴿وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی﴾ کہ مکّے کی متمول ترین خاتون آپؐ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور انہوں نے اپنا سب کچھ آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا، اسی طرح حکمتِ خداوندی نے مکّے کی اس قبائلی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کو ایک اور اعتبار سے بھی تحفظ عطا فرمایا تھا۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ سیرتِ مطہرہ کا یہ ایک اہم پہلو ہے کہ حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی زندگی میں پورے قبیلۂ قریش میں بنو ہاشم کو ایک فیصلہ کن اہمیت اور حیثیت حاصل تھی۔ بنو ہاشم کی سرداری کا منصب عبدالمطلب کو حاصل تھا جو بے پناہ شخصی وجاہت کے حامل تھے۔ ان کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کے تایا زبیر جانشین بنے اور بنی ہاشم کے سردار قرار پائے۔ اکثر لوگ اس بات سے لاعلم ہیں کہ دادا کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کی کفالت اصلاً آپ کے تایا زبیر نے کی۔ وہ بھی اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے اس حیثیت کے مالک تھے کہ انہوں نے بنو ہاشم کی سیادت کو برقرار رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد بنو ہاشم میں شخصی وجاہت اور ذاتی حیثیت کے اعتبار سے کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا کہ جو قریش میں بنو ہاشم کی سیادت کا سکہ منوا لیتا۔ بہرحال وہ سیادت جیسی کچھ بھی تھی، ابو طالب کے ہاتھ آئی۔ ابو طالب اگرچہ نبی اکرم ﷺ پر مرتے دم

© rasailojaraid.com

تک ایمان نہیں لائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضور ﷺ کی محبت انتہائی درجے میں جاگزیں کر دی تھی، جس کی وجہ سے خاندان بنی ہاشم کا تعاون یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کی جانب سے ایک حمایت، جو اس قبائلی معاشرے میں بڑی اہمیت کی حامل تھی، نبی اکرم ﷺ کو حاصل رہی۔ چنانچہ مشرکینِ مکّہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کے خلاف اس طرح کا معاملہ کرنا ممکن نہ تھا جس طرح کہ حضرت بلالؓ، یا حضرت خبابؓ یا آلِ یاسرؓ کے ساتھ ہوا۔ اکا دکا واقعات ضرور ملتے ہیں، مثلاً ایک مرتبہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل کچھ فاصلے پر موجود تھا، اس نے اپنے ہم نشینوں سے یہ بات کہی کہ ہے کوئی شخص جو اِن کی خبر لے! عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اس نے ایک چادر کو بل دے کر اسے ایک پھندے کی شکل میں حضور ﷺ کے گلے میں ڈالا اور اس کے دونوں سروں کو اس طرح کھینچا کہ حضور ﷺ کی آنکھیں ابل آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ''بدبختو! کیا تم ایک شخص کو صرف اس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے!'' لوگوں نے حضور ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیٹنا شروع کیا۔ اتنا مارا کہ یہ سمجھ کر چھوڑا کہ اب یہ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور معاملہ بھی پیش آیا۔ حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل نے اسی عقبہ بن ابی معیط کو اشارہ کیا اور وہ ایک اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی اٹھا کر لایا اور جب حضور ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپؐ کی گردن پر رکھ دی۔ اس طرح کی ایذا رسانی اور اس نوع کے معاملات اکا دکا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ صبح آپ ﷺ گھر سے نکلتے تو ابولہب اور اس کی بیوی آپؐ کے دروازے کے سامنے کانٹے بچھا دیتے تھے، یا یہ کہ آپؐ کسی گلی سے گزر رہے ہیں اور کسی نے اوپر سے راکھ یا خاک آپؐ کے سر پر ڈال دی۔

ایک نیا جال

اس قسم کے بعض واقعات تو یقیناً ہوئے لیکن ہجرتِ حبشہ کے بعد ان میں ایک نئی

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

کیفیت کا اضافہ ہوا۔ اور وہ یہ کہ جب لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ بات کسی طریقے سے بھی رک نہیں رہی' ہمارے تشدد کے نتیجے میں کوئی ایک شخص بھی اس نئے دین سے واپس نہیں لوٹا' تو انہوں نے ایک کام تو یہ کیا کہ لالچ کا پھندا پھینکا۔ ابو طالب کے پاس آئے کہ اگر تمہارا بھتیجا بادشاہی چاہتا ہے تو ہم اسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں' اگر اسے کچھ دولت کی خواہش ہے تو ہم اس کے قدموں میں دولت کا انبار لگا دیں گے' اگر اسے کسی جگہ نکاح کرنا ہو تو اشارہ کرے' عرب کے جس گھرانے میں وہ چاہے ہم شادی کرا دیں گے۔ ہم اس کا ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن کسی طریقے سے تم اس دعوت سے اسے روکو۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو بلایا' ساری بات سامنے رکھی۔ حضور ﷺ کی عزیمت دیکھئے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آ سکتا۔

© rasailojaraid.com

ابو طالب پر قریش کا دباؤ

لالچ (temptation) کے پھندے سے بھی جب آپ ﷺ صاف بچ نکلے تو پھر ابو طالب کو دھمکی دی گئی کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے' اب یا تو تم اپنے بھتیجے کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ یا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو' ہم نپٹ لیں گے' لیکن اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ تم حسبِ سابق خاندانی سطح پر محمد (ﷺ) کی پشت پناہی اور حمایت برقرار رکھو گے تو پھر ٹھیک ہے' کھلے میدان میں آ ؤ' اب بنی ہاشم کا اور قریش کے بقیہ گھرانوں کا کھلا تصادم ہو گا۔ ابو طالب نے گھبرا کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ بات بھی رکھی اور ساتھ ہی یہ کہا کہ بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ گویا ابو طالب کی ہمت بھی جواب دیتی نظر آئی' محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کی طرف سے اس متحدہ چیلنج کو قبول کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ شدتِ تاثر سے حضور ﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں کہ یہ ایک دُنیوی سہارا جواب تک حاصل تھا' شاید یہ بھی اب ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ لیکن نہایت پُر عزم لہجے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم' یا تو مَیں اس کام میں اب

© rasailojaraid.com

ہلاک ہو جاؤں گا اور یا اللہ اس کام کو پورا کرے گا' اس سے قدم پیچھے ہٹانے کا کوئی سوال نہیں! اللہ نے اس موقع پر ابو طالب کو بھی ہمت عطا فرمائی' انہوں نے کہا کہ پھر ٹھیک ہے' بھتیجے میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔

شعبِ بنی ہاشم

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کی جانب سے اب نبی اکرم ﷺ اور بنی ہاشم کے خلاف ایک متفقہ اقدام ہوا جس کے نتیجے میں یہ طے کیا گیا کہ بنی ہاشم سے کامل مقاطعہ کیا جائے۔ کوئی خرید و فروخت' کوئی لین دین اب ان کے ساتھ نہ کیا جائے اور ہر نوع کا تعلق منقطع کر لیا جائے۔ یہ ایک نوع کا Socio-economic بائیکاٹ تھا جس نے تین سال کی ایک قید کی شکل اختیار کی۔ سن سات نبوی سے شروع ہو کر سن دس نبوی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ایک گھاٹی میں جسے شعب بنی ہاشم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' یہ خاندان بنو ہاشم محصور و مقید تھا۔ مکمل ناکہ بندی تھی' کوئی چیز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی' کوئی لین دین ممکن نہیں تھا۔ کچھ نیک دل لوگ کہیں رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپا کر کبھی کبھار کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے تھے ورنہ یہ کہ پورا پہرا موجود تھا۔ یہ ہے سخت ترین قید کی وہ کیفیت کہ جس کے دوران ایسا وقت بھی آیا کہ اس ''وادیٔ غیر ذی زرع'' میں جو جھاڑیاں وغیرہ تھیں ان کے پتے چٹ کر لئے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنی ہاشم کے بلبلاتے بچوں کو اس کے سوا اور کچھ میسر نہیں تھا کہ سوکھے چمڑے ابال کر ان کا پانی ان کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ بہر حال نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ خاندانِ بنی ہاشم نے اس سختی کو جھیلا اور برداشت کیا۔ یہ اسی صبر و مصابرت کا معاملہ تھا کہ مقابلے میں ہاتھ نہیں اٹھائے جا رہے' لیکن اپنے موقف پر اسی طرح ڈٹے ہوئے ہیں کہ ایک انچ پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں۔

کچھ صلح پسند اور نیک دل لوگوں کی مداخلت سے سن دس (نبوی) میں یہ مقاطعہ ختم ہو جاتا ہے۔ اخلاقی طور پر کفار کو اس معاملے میں شکست ہوئی' اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے موقف میں کوئی نرمی اور کوئی لچک پیدا نہیں کی' آپ ﷺ

© rasailojaraid.c

نے اور آپؐ کے خاندان نے ہر سختی کو جھیلا اور تکلیف کو برداشت کیا۔ بالآخر یہ مقاطعہ ختم ہوا۔

شخصی ابتلاء کا نقطۂ عروج: یوم طائف

لوگوں کی طرف سے ڈالی ہوئی آزمائش کا سلسلہ کچھ کم ہوا تو اللہ کی طرف سے ایک براہ راست آزمائش بھی آپ کی منتظر تھی۔ اس پہلو سے گویا شخصاً نبی اکرم ﷺ کے لئے آزمائش کا معاملہ نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ سن دس نبوی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا بھی انتقال ہو جاتا ہے اور ابو طالب کا بھی۔ گھر میں دلجوئی کرنے والی رفیقۂ حیات تھی' وہ بھی نہ رہی اور خاندانی اعتبار سے سہارا دینے والا ایک پشت پناہ تھا' ابو طالب' وہ بھی رخصت ہوا۔ سرداران قریش کے حوصلے یکدم بلند ہو گئے۔ مشورے ہونے لگے کہ اب وقت ہے کہ آخری فیصلہ کر ڈالا جائے' آخری اقدام اب کر دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ اس صورتِ حال کو دیکھ کر مکّے سے مایوس ہو کر طائف کا سفر کرتے ہیں۔ عام راستہ آپؐ نے اختیار نہیں کیا' اندیشہ تھا کہ آپؐ کی جان لینے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ ایک نہایت دشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ صرف ایک غلام' حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ طائف پہنچ کر آپؐ نے وہاں کے جو تین بڑے سردار تھے' ان تینوں سے ملاقات کی' لیکن ہر طرف سے انتہائی دل کو توڑ دینے والا جواب سننے کو ملا۔ سب نے استہزا' تمسخر اور مذاق کا نشانہ بنایا۔ ایک نے نہایت تمسخر آمیز لہجے میں کہا (معاذ اللہ' نقلِ کفر کفر نباشد) کہ میں تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا' اگر تم جھوٹے ہو تو منہ لگانے کے قابل نہیں اور اگر سچے ہو تو ہو سکتا ہے میں کہیں توہین کر بیٹھوں اور اللہ کے نبی کی توہین میرے لئے وبالِ جان بن جائے' لہٰذا آپ تشریف لے جایئے! کسی نے کہا کہ کیا اللہ کو آپ کے سوا کوئی نہیں ملا تھا نبوت اور رسالت کے لئے؟ اسی طرح کے دل توڑ دینے والے اور جگر چھلنی کر دینے والے جواب سن کر نبی اکرم ﷺ لوٹنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ وہ لوگ کچھ اوباش لوگوں کو اشارہ کرتے ہیں کہ ذرا ان کی خبر لو۔ پھر وہ نقشہ جمتا ہے جس کو بیان کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی

© rasailojaraid.com

ہے۔ طائف کی گلیاں ہیں' اللہ کا رسولؐ ہے اور بعینہٖ وہی نقشہ ہے جو ہماری آبادیوں میں کبھی کبھار دیکھنے میں آتا ہے کہ جیسے کوئی دیوانہ شخص ہو اور اوباش چھوکرے چاروں طرف سے اسے کنکریاں مار رہے ہوں' ہنسی مذاق ہو رہا ہو' فقرے چست کیئے جا رہے ہوں۔ طائف کی گلیوں میں محمد رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے جا رہے ہیں' خاص طور پر ٹخنوں کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جس کے تصور ہی سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے' جسمِ مبارک لہولہان ہو گیا ہے' خون بہہ رہا ہے اور نعلین میں آ کر جم گیا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نقاہت کی وجہ سے آپؐ بیٹھ جاتے ہیں تو غنڈے آگے بڑھتے ہیں' ایک داہنی بغل میں ہاتھ ڈالتا ہے دوسرا بائیں میں' اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو!! طائف کی گلیوں میں کیا کچھ نہیں ہوا حضور ﷺ کے ساتھ!.... گویا ؎

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار

کئی برس بعد مدنی دور میں ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ کیا آپ (ﷺ) پر یومِ اُحد سے زیادہ سخت بھی کوئی دن گزرا ہے؟ اس لئے کہ ان کی ہوش میں حیاتِ طیبہ کا سخت ترین دن یومِ اُحد تھا جس میں آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے' زیادہ خون بہہ جانے کے باعث ضعف و نقاہت سے آپ ﷺ پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی' آپؐ کے انتہائی قریبی عزیز اور جان نثار ساتھیوں کی لاشیں آپؐ کی نگاہوں کے سامنے آئیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی حوالے سے آپؐ سے سوال کیا تھا کہ اس سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آپؐ پر گزرا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں' طائف کا دن مجھ پر اس سے کہیں زیادہ بھاری تھا۔ اُحد کے دامن میں تو وہ جان نثار بھی آپؐ کے ساتھ تھے جنہوں نے آپؐ کی حفاظت کے لئے جسموں کو ڈھال بنایا ہوا تھا۔ طائف میں سوائے ایک غلام کے اور کوئی آپؐ کے ساتھ نہیں تھا۔ گویا آپؐ بالکل یکہ و تنہا تھے اور طائف کی گلیوں میں نقشہ وہ جما جس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا ہے۔ چنانچہ طائف سے واپسی پر ایک جگہ

© rasailojaraid.com

آپ ﷺ آرام کے خیال سے ذرا بیٹھے تو اس وقت آپ کی زبان پر جو دعا آئی اس نے یقیناً عرش کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ ((اَللّٰھُمَّ اِلَیکَ اَشکُوْ ضُعفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَ انِی عَلَی النَّاسِ)) ''اے اللہ! تیری ہی جناب میں شکوہ لے کر آیا ہوں اپنی قوت کی کمی کا' اپنے وسائل و ذرائع کی قلت کا اور اس اہانت و رسوائی کا جو لوگوں کے سامنے ہوئی۔'' ((اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ)) ''اے پروردگار! تُو نے مجھے کس کے حوالے کر رکھا ہے''۔ ((اِلٰی بَعِیْدٍ یَجْھَمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَ اَمْرِیْ)) ''کیا میرا معاملہ دشمن کے حوالے کر دیا ہے کہ جو چاہے میرے ساتھ کر گزرے؟'' ((اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ)) ''اگر تُو ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔ اگر تجھے یہی منظور ہے' یہی پسند ہے تو سرِ تسلیم خم ہے۔ ((اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ)) ''پروردگار! میں تیرے ہی روئے انور کی ضیا کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔''

یوم طائف کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی ؒ نے بہت صحیح نکتہ بیان کیا ہے کہ شخصی اور ذاتی اعتبار سے طائف کا یہ دن محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا آنحضور ﷺ کی ذات کی حد تک ابتلاء و آزمائش کا معاملہ اس آخری انتہا کو پہنچ گیا جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں آیا ہے: ﴿مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ۝﴾ یہ ابتلاء و آزمائش کا وہ نقطۂ عروج ہے جس کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے اسی وقت ملک الجبال' یعنی وہ فرشتہ جو پہاڑوں پر مامور ہے' آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے عرض کیا کہ اللہ نے مجھے بھیجا ہے' اگر آپؐ حکم دیں تو میں طائف کے چاروں طرف کے پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دوں کہ طائف کے رہنے والے سرمہ بن جائیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت سے نواز دے اور انہیں اسلام لانے کی توفیق عطا فرما دے۔ بہر حال یوم طائف نبی اکرم ﷺ کے لئے ذاتی

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اعتبار سے سخت ترین دن تھا کہ اس روز صبر و مصابرت کا مرحلہ آپؐ کے لئے گویا نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ پھر اسی سال آپ کی رفیقۂ حیات اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا اور دنیا میں سہارا دینے والے چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے۔ چنانچہ سن دس نبوی کو حضور ﷺ نے ''عام الحزن'' سے تعبیر کیا، یعنی رنج و غم اور افسوس کا سال۔

طائف سے واپس جب آپ ﷺ مکّے پہنچے تو حالات اتنے مخدوش تھے کہ مکّے میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ آپؐ نے مکّہ کے ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو تو میں مکّے میں داخل ہو سکتا ہوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، میں آپؐ کو حمایت کا یقین دلاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے دوبارہ پیغام بھجوایا کہ اس طرح نہیں، تم خود آؤ اور مجھے لے کر جاؤ۔ حالات اس درجے ناموافق اور نامساعد ہو چکے ہیں کہ مطعم بن عدی اپنے چھ بیٹوں کو لے کر ہتھیار لگا کر آتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو لے کر مکّہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد البتہ حالات کا رخ بدلتا ہے اور بظاہر مایوسی و ناامیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امید کے دیئے روشن ہونے لگتے ہیں!

نصرتِ الٰہی کا ظہور

طائف سے واپسی کے بعد سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک اڑھائی تین سال کا عرصہ ہماری اِس وقت کی گفتگو کے لحاظ سے دو اعتبارات سے قابلِ توجہ ہے۔ ایک یہ کہ نصرتِ خداوندی کا ظہور اس شان کے ساتھ ہوتا ہے کہ سن گیارہ نبوی میں مدینہ کے چھ افراد نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں۔ اس کا ذکر اس سلسلۂ درس میں پہلے بھی کسی موقع پر ہو چکا ہے۔ چشمِ تصور سے دیکھئے! حج کا موسم ہے، مختلف جگہوں سے آئے ہوئے قافلے مختلف وادیوں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں، اللہ کا رسول ﷺ اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور مخلوقِ خدا کو راہِ راست پر لانے کی شدید آرزو دل میں لئے ایک وادی میں سے گزر رہا ہے۔ ایک جگہ چھ افراد ملتے ہیں، ان کے سامنے آپؐ اپنی دعوت پیش کرتے ہیں، وہ چھ افراد یثرب کی بستی سے آئے ہیں، آپؐ کی بات سن کر وہ

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں‘ آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہودی جو دعویٰ کرتے تھے کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے‘ شاید یہ وہی نبی ہیں۔ آؤ کہ ہم ان پر ایمان میں سبقت کر لیں‘ مبادا یہودی ہم سے آگے بڑھیں اور وہ پہلے ان کی تصدیق کر دیں۔ گویا اوس اور خزرج کو یہود کے ذریعے سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ ان کے ایمان کا ذریعہ بن گئیں۔ (واضح رہے کہ یثرب میں دو قبائل اوس اور خزرج آباد تھے جنہیں ہم وہاں کے قدیم باشندے قرار دے سکتے ہیں‘ جبکہ یہودیوں کے بھی تین قبائل مدینے کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہو گئے تھے) اگلے سال سن بارہ نبوی میں بارہ افراد ایمان لے آئے اور انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنا کوئی نمائندہ ہمیں دیجیے جو ہمیں قرآن کی تعلیم دے۔ سورۃ الجمعہ کا درس ذہن میں لایئے‘ قرآن حکیم ہی حضور ﷺ کی دعوت کے مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ع ''قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند'' کے مصداق اس عظیم کام کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوتا ہے۔

یہاں ان کا شخصی تعارف کرا دینا بہت مناسب ہو گا۔ یہ ایمان اس وقت لائے جب ابھی بالکل نوعمر تھے۔ بڑے ہی ناز و نعم میں پرورش ہوئی۔ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ نہایت قیمتی اور معطر لباس میں ملبوس جہاں سے گزرتے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے‘ لوگ اشارہ کرتے کہ وہ مصعب جا رہا ہے۔ ایمان لے آئے تو گھر والوں نے سب کچھ چھین کر بالکل برہنہ حالت میں نکال باہر کیا کہ اگر تم نے آباء واجداد کے دین کو چھوڑا ہے تو اپنے آباء واجداد کی دولت اور ان کی وراثت سے بھی تمہیں کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اب وہ نوجوان ہر شے سے کٹ کر محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہی مصعبؓ ہیں کہ جن کے نام قرعۂ فال نکلتا ہے اور وہ معلمِ قرآن بنا کر یثرب بھیج دیئے جاتے ہیں۔ وہاں ان کا نام ''المُقری'' (پڑھانے والا) مشہور ہو گیا۔ انؓ کی محنت کا حاصل یہ تھا کہ اگلے سال سن ۱۳ نبوی کے

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

حج کے موقع پر ۷۵ افراد جن میں ۷۲ مرد اور ۳ عورتیں شامل تھیں، محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ ہو رہی ہے۔ یہی بیعت ہجرتِ مدینہ کی بنیاد بن گئی، اس لئے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ معاہدہ کیا کہ آپؐ ہمارے ہاں تشریف لایئے، ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے کہ جیسے اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ ہوا اور ہجرتِ مدینہ کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔ بہرحال نصرتِ خداوندی کا ظہور اس طور سے ہوا کہ کہاں طائف میں یہ حالت تھی کہ آپؐ خود وہاں تشریف لے گئے اور ہر جانب سے انتہائی مایوس کن جواب ملا اور کہاں یہ کیفیت کہ مدینہ منورہ میں آنحضور ﷺ کے قدم ابھی پہنچے بھی نہیں، آپؐ کا ایک ادنیٰ جان نثار وہاں جا کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیتا ہے اور وہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک انقلاب آ گیا، اوس اور خزرج کے سر برآوردہ لوگ ایمان لے آئے۔ اللہ نے مدینہ کو حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لئے سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۲۶ کے مطابق ایک پناہ گاہ اور دعوتِ اسلامی کا مرکز بنا دیا۔ بہرحال ایک طرف تو نصرتِ خداوندی کا یہ ظہور ہے، اسے نگاہ میں رکھئے اور دوسری طرف مکّہ اور اہلِ مکّہ کے ساتھ جو ہو رہا ہے، اسے بھی ذہن میں لایئے!

مصالحت کی کوشش۔ دامِ ہمرنگِ زمین

اس دور میں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مصالحت کی ایک بھرپور کوشش ہوئی جس میں ولید بن مغیرہ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ بالکل ابتدائی سورتوں میں سورۂ مدثر اور سورۂ نون (جسے سورۃ القلم بھی کہتے ہیں) مشرکین میں سے جس نمائندہ کردار کا مذمت کے انداز میں ذکر ہے وہ جامہ ولید بن مغیرہ پر ہی راست آتا ہے۔ یہ شخص بالکل آغاز ہی میں دل سے قائل ہو چکا تھا کہ محمد (ﷺ) حق پر ہیں۔ حقیقت اس پر منکشف ہو چکی تھی۔ ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ اس کے ساتھیوں کو یہ خطرہ ہو گیا تھا کہ اس پر محمدؐ کا جادو چل گیا ہے، لیکن مصلحتوں، مفادات اور چودھراہٹ کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں پڑی رہ گئیں اور وہ محروم رہا۔ لیکن بعد میں محسوس یہ ہوتا ہے کہ مسلسل اس کی یہ کوشش رہی کہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کوئی مصالحت ہو جائے۔ چنانچہ یہ وہ وقت ہے کہ جس کے دوران وہ مصالحانہ کوششیں پوری شدت کو پہنچ گئیں۔ اس ضمن میں چند واقعات ملتے ہیں اور آج کے درس کے لئے جن آیات کو عنوان بنایا گیا تھا ان کا مضمون بھی اسی سے متعلق ہے۔ کسی داعیٔ حق کے لئے یہ مصالحت کا دامِ ہم رنگِ زمین انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ یہ معاملہ وہ ہے کہ اس میں اگرچہ براہ راست مقابلے یا مخالفت کی فضا نہیں ہوتی اور بظاہر انداز میٹھا ہوتا ہے لیکن اگر کہیں اس دامِ ہم رنگ زمین میں کوئی داعیٔ حق گرفتار ہو جائے تو لامحالہ اس کی منزل کھوٹی ہو جائے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ مکّے میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر بر بنائے طبع بشری آپؐ کا ان سے متاثر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ آپؐ جانتے تھے کہ اگر ان سرداروں میں سے کوئی ایمان لے آئے تو اس سے ایمان اور اسلام کے لئے راستے کھل جائیں گے اور یہ چیز اہل ایمان کے لئے بہت تقویت کا باعث ہو گی' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے اہلِ ایمان کو دُنیوی اعتبار سے سہارا ملا۔ یہی وہ بات تھی کہ جس کے تحت جب یہ سردارانِ قریش آپؐ کے پاس مصالحانہ گفتگو کے لئے آتے تھے تو حضور ﷺ پذیرائی فرماتے اور ان کی جانب ملتفت ہوتے۔ اسی سلسلے میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ گرفت بھی ہوئی۔ ایک نابینا صحابی عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ ایک بار ایسے وقت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپؐ سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے تھے' حضرت عبداللہؓ بار بار حضور ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتے' جس پر حضور ﷺ کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ سورۃ عبس کے آغاز میں اسی واقعے کا حوالہ ہے:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی۞ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی۞ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی۞ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی۞ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی۞ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی۞ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی۞ وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی۞ وَهُوَ یَخْشٰی۞ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی۞ کَلَّا اِنَّهَا تَذْکِرَةٌ۞ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ۞﴾

''تیوری چڑھائی اور رخ پھیر لیا کہ ان کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ اور

© rasailojaraid.c

تمہیں کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت اخذ کرتا تو وہ نصیحت اس کے لئے فائدہ بخش ہوتی۔ اور وہ کہ جو بے پروائی اختیار کرتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو (یعنی سردارانِ قریش کی جانب آپؐ خصوصی التفات فرماتے اور آپ کی کوشش ہوتی کہ وہ ایمان لے آئیں) اور جو چل کر آتا ہے اور جس کے دل میں خشیت ہے (تزکیہ حاصل کرنے کی طلب ہے) تو تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک یاددہانی ہے، تو جو چاہے اس نصیحت کو اخذ کرے (اس سے فائدہ اٹھالے)''۔

آنحضور ﷺ کے لئے خصوصی ہدایات

آنحضور ﷺ کو یہاں توجہ دلائی گئی کہ اگرچہ آپؐ کی یہ خواہش اپنی جگہ بجا ہے کہ سردارانِ قریش ایمان قبول کرلیں تا کہ مسلمانوں کے لئے آسانی ہو جائے، لیکن ان کی جانب آپؐ کا یہ غیر معمولی التفات بھی مناسب نہیں ہے۔ آپؐ انہیں ایمان کی دعوت ضرور دیجئے لیکن یہ انداز اختیار نہ کیجئے! یہی بات سورۂ کہف کی ان آیات میں آئی ہے:

﴿وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝﴾

کہ اے نبی! جو کتاب آپؐ پر نازل فرمائی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے، اسے پڑھتے رہئے۔ آپؐ کے صبر و ثبات کی اصل اساس یہ ہے ...... یہ مضمون اس سے پہلے ہمارے سابق درس سورۃ العنکبوت میں بھی آ چکا ہے، جہاں اکیسویں پارے کی پہلی آیت بعینہٖ انہی الفاظ سے شروع ہوتی ہے: ﴿اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ......﴾ اور جان لیجئے کہ اللہ کے فیصلوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ آپؐ کی جدوجہد کا نتیجہ کب ظاہر ہوگا، راستہ کہاں سے نکلے گا، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ آپؐ اپنا فرضِ منصبی ادا کیجئے، آپؐ کے ذمے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ کسی کے پیچھے پڑ کر اپنے لئے یا اس دین کی دعوت کے لئے کسی درجے میں بھی کسی ہلکے پن کا کوئی امکان پیدا نہ ہونے دیجئے۔ ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝﴾ اور سمجھ لیجئے کہ آپؐ کو پناہ تو بس اللہ ہی کے ہاں

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ملے گی‘ وہی پناہ مہیا فرمائے گا‘ نصرت وتائید وہیں سے ملے گی۔ ان اسبابِ ظاہری کی جانب آپؐ ملتفت نہ ہوں‘ ان کی طرف زیادہ توجہ نہ فرمائیں‘ آپؐ کا ملجاو ماویٰ بس اللہ ہی کی ذات ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ﴾

یہاں لفظ ''صبر'' کو نوٹ کیجیے جو منتخب نصاب کے اس حصے کا اصل موضوع ہے جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ صبر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ان فقراء اور ضعفاء کے ساتھ مصاحبت اختیار کیجیے جو اگرچہ کمزور اور بے حیثیت لوگ ہیں لیکن ایمان لا چکے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہا تھا: ﴿ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ﴾ کہ اے نوح! ہم تمہارے پاس کیا آ کر بیٹھیں اور تم سے کیا بات کریں‘ تمہارے ارد گرد تو ان لوگوں کا جمگھٹا ہوتا ہے جو ہمارے معاشرے کے گھٹیا اور کمین لوگ ہیں! ہم تمہاری بات سنیں تو کیسے‘ تمہارے پاس آئیں تو کیسے؟ یہی معاملہ سردارانِ قریش کا بھی تھا‘ وہ بھی اس بات پر معترض تھے کہ آپ کے آس پاس بیٹھنے والے تو اکثر وہ لوگ ہیں جو ہمارے غلاموں کے طبقے سے ہیں‘ ان کی موجودگی میں ہم آپؐ کی محفل میں کیسے آ سکتے ہیں؟ لیکن حضور ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپؐ تو بس اپنے آپ کو انہی فقراء کے ساتھ تھام کر رکھئے۔ یہ لوگ اگرچہ دنیاوی اعتبار سے بے حیثیت ہیں‘ دُنیوی مال واسباب ان کے پاس نہیں ہے‘ لیکن یہ ایمان اور محبتِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں‘ یہ صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں‘ یہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں‘ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح وشام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ آپ کی نگاہیں ان درویشوں سے ہٹ کر ان سردارانِ قریش کی جانب متوجہ نہ ہونے پائیں کہ کہیں دیکھنے والے کو یہ مغالطہ ہو کہ شاید آپؐ بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہو گئے ہیں اور شاید دنیا کی ظاہری زیب وزینت اور چہل پہل سے آپؐ نے بھی کوئی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

تاثر قبول کر لیا ہے۔

آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ﴾ کہ یہ جو مصالحت کے لئے سرداران قریش آپؐ کے پاس آتے ہیں ان کے اصل باطن کو دیکھئے' یہ حق کو پہچاننے کے بعد اس سے اعراض کر رہے ہیں' ان کے کہنے میں نہ آیئے' ان کی چکنی چپڑی باتوں سے آپؐ متاثر نہ ہوں۔ یہ لوگ اپنی خواہشات کا اتباع کر رہے ہیں' ہماری یاد سے ان کے دل غافل ہیں۔ ہم نے انہیں محروم کر دیا ہے اپنی یاد کی لذت سے۔ ان کی پوری زندگی ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں۔ ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ اور اے نبی! ان سے ڈنکے کی چوٹ کہئے: مجھے تمہاری کوئی خوشامد نہیں کرنی' مجھے چاپلوسی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' یہ تمہارے ربّ کی جانب سے حق ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ج﴾ تو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔ داعیٔ حق کے لئے استغنا کا یہ انداز برقرار رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ اس مغالطے میں مبتلا نہ ہوں کہ اس کی کوئی ذاتی غرض اس دعوت کے ساتھ کسی درجے میں ملحق ہو گئی ہے۔

© rasailojaraid

اس کے بعد غیظ و غضب کے انداز میں کفار کے انجام کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط﴾ ہم نے ان ظالموں کے لئے وہ آگ فراہم کی ہوئی ہے جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لے گی جیسے کہ قناتیں ہوتی ہیں۔ ﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ﴾ اور اگر یہ چیخیں گے' پکاریں گے' فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو کھولتے اور پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا کہ جس سے ان کے منہ جل کر رہ جائیں' وہ پانی ان کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ وہ بہت ہی بری شے ہو گی پینے کی اور بہت ہی برا ہو گا وہ انجام جس سے یہ دوچار ہوں گے۔

''کوئی اور قرآن پیش کرو'' ۔ مشرکین کا ایک مطالبہ

یہاں دیکھئے کہ اس پُرفریب مصالحانہ روش کی کس شدت کے ساتھ مذمت کی گئی

© rasailojaraid

ہے اور اس دامِ ہمرنگ زمین میں کسی داعیٔ حق کے گرفتار ہو جانے کے امکان یا اندیشے کا کس شدّ ومدّ اور کتنے اہتمام کے ساتھ سدِّ باب کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سردارانِ قریش کی جانب سے اس مرحلے پر ایک خاص بات یہ پیش کی گئی کہ اے محمد (ﷺ)! ہمیں تم سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے، تم سے ہمارا کوئی جھگڑا یا ذاتی نوعیت کی کوئی لڑائی نہیں ہے، لیکن یہ قرآن جو تم پیش کر رہے ہو، ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ ٹھیک ہے کچھ باتیں اپنی منوالو کچھ ہماری مانو، کچھ لے دے کر معاملہ کرو، یہ قرآن تو بہت rigid (بے لچک) ہے، لٰہذا یا تو کوئی اور قرآن پیش کرو جو اس سے مختلف ہو یا اسی میں کوئی تغیر و تبدل کر کے کچھ لچک پیدا کرو، تبھی ہمارے اور تمہارے مابین کوئی مفاہمت اور مصالحت ہو سکتی ہے۔

اس پوری صورتِ حال کو ذہن میں رکھئے، بظاہر اسلام کے فروغ کا کہیں کوئی امکان نظر نہیں آ رہا، ہر چہار طرف سے راستے بند نظر آتے ہیں، یہ درست ہے کہ نبوت کے گیارہویں سال مدینہ کی جانب سے ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلتی ہے، چھ افراد حضور کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، اگلے سال اس کھڑکی کا حجم کچھ بڑھ جاتا ہے، ایمان لانے والوں کی تعداد چھ سے بڑھ کر بارہ ہو جاتی ہے لیکن باقی تو ہر چہار طرف گھپ اندھیرا ہے، کہیں کسی جانب سے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ راستہ کدھر سے نکلے گا۔ ان حالات میں امکانی طور پر بربنائے طبعِ بشری یہ خیال دل میں آ سکتا ہے کہ چلو حکمتِ عملی کا تقاضا سمجھ کر ہی کچھ لے دے کر معاملہ کر لیا جائے تاکہ بات کچھ تو آگے بڑھے، اگر ہمارا موقف اسی طریقے سے بالکل دوٹوک اور بے لچک (rigid) رہا پھر تو معاملہ بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گا، راستہ کھلنے کے تمام امکانات مسدود ہو کر رہ جائیں گے۔ اس امکان کو سامنے رکھئے اور دیکھئے قرآن مجید اس سلسلے میں کیا ہدایات دیتا ہے۔ سورۂ یونس سے سورۂ مؤمنون تک مکّی سورتوں کا جو طویل سلسلہ ہے ان میں سے اکثر و بیشتر سورتیں اسی دور میں نازل ہوئی ہیں۔ سورۂ یونس میں فرمایا گیا:

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

© rasailojaraid.com

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ﴾

کہ جب ان مشرکین کو ہماری روشن آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے، جنہیں یہ گمان ہی نہیں ہے کہ ہمارے حضور میں حاضری ہوگی کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن پیش کرو یا اس میں کچھ تبدیلی کرلو۔

قرآن کا دوٹوک جواب

جواباً نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا: ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ﴾ اے نبی! کہہ دیجئے، میرے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں اسے اپنے جی سے بدل دوں، اپنی مرضی سے اس میں کوئی ترمیم کردوں۔ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ میں تو خود پابند ہوں اس کا کہ جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے۔ ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے تو خود اندیشہ ہے اپنے پروردگار کی طرف سے ایک بہت بڑے دن کی سزا کا۔

یہ مضمون قرآن حکیم میں ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے، لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر مضمون کے لئے کوئی ایک مقام ایسا ہوتا ہے کہ جہاں وہ مضمون اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے، اسی طرح اس مضمون کا ذروۃ السنام یا نقطۂ کمال (Climax) سورۂ بنی اسرائیل کے وسط میں ملتا ہے۔ آیت نمبر ۷۳ سے بات شروع ہوتی ہے: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ﴾ اور اے نبی! یہ لوگ تو اس پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ کسی طرح آپؐ کو بچلا دیں اس چیز کی طرف سے جو ہم نے آپؐ کی جانب وحی کی ہے (یعنی قرآن حکیم)، تاکہ آپؐ اس کے سوا کوئی چیز اپنے پاس سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کردیں۔ وہ تو آپ پر پورا دباؤ ڈال رہے ہیں اور اپنی پوری قوتیں اس پر صرف کررہے ہیں کہ کسی طرح آپؐ کو اس موقف سے ہٹا کر مصالحت پر آمادہ کردیں کہ کچھ لے دے کر بات

© rasailojaraid.com

بن جائے اور کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب کر دی جائے کہ جس سے ان کے مشرکانہ موقف کی بھی تائید ہوتی ہو۔ فرمایا: ﴿وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا ۞﴾ اور اگر آپؐ ایسا کر لیں تو پھر تو وہ آپؐ کو اپنا دوست بنا لیں گے' جھگڑے اور اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اگلی آیت اس مضمون کے اعتبار سے بہت اہم ہے: ﴿وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۞﴾ اور اے نبی! اگر ہم ہی نے آپؐ کو ثبات عطا نہ کیا ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ آپؐ ان کی جانب کچھ تھوڑا سا جھک ہی جاتے۔ یہ ہے طبعِ بشری کا وہ تقاضا اور حالات سے متاثر ہونے کا امکان جس کا واضح ذکر یہاں موجود ہے۔ جب چاروں طرف سے راستہ بند نظر آتا ہو تو امکانی طور پر یہ بات ذہن میں آ سکتی ہے کہ وقتی طور پر اگر کچھ تھوڑی بہت مصالحت کر کے کام نکال لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے پھر جب حالات ہمارے کنٹرول میں آ جائیں گے تو ہم پھر اپنے اصل موقف کی طرف رجوع کر جائیں گے۔ اسی امکان کا دروازہ بند کرنے کے لئے قرآن حکیم میں حضور ﷺ کو مختلف اسالیب میں صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۃ النحل کے آخر میں فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ کہ اے نبی! صبر کیجئے اور آپؐ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے۔ آپؐ کے صبر کے لئے اصل سہارا اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ پر بھروسہ' اُس پر توکل اور ''تفویض الامر الی اللہ'' ہی درحقیقت بندۂ مؤمن اور بالخصوص داعیٔ حق کے صبر کی اساس اور جڑ بنیاد ہے۔

اگلی آیت میں الفاظ کی ظاہری سختی پر ذرا نظر کیجئے' اسی سختی اور درشتی کا رخ اصل میں کفار کی طرف ہے' کان ان کے کھولے جا رہے ہیں' انہیں سنایا جا رہا ہے کہ ہمارے نبیؐ سے اس بات کی توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری باتوں میں آ کر اللہ کے کلام میں تغیر و تبدل کی جسارت کریں گے' لیکن ظاہراً خطاب یہاں حضور ﷺ کی طرف ہے: ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ۞﴾ اے نبی! اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو ہم آپؐ کو دوگنا مزا چکھاتے دنیا کی زندگی کے

© rasailojaraid

عذاب کا اور دوگنا ہی موت کے عذاب کا اور آپؐ ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔

اس کے ساتھ ہی اگلی آیت میں اشارہ ہو رہا ہے ہجرتِ مدینہ کی طرف۔ ہمارے پچھلے سبق میں، جو سورۃ العنکبوت کی بعض آیات پر مشتمل تھا، ہجرتِ حبشہ کی طرف اشارہ ان الفاظ میں تھا: ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴾ اے میرے وہ بندو جو مجھ پر ایمان لائے ہو! میری زمین کشادہ ہے، پس بندگی صرف میری کرو۔

پائے مرا لنگ نیست
ملکِ خدا تنگ نیست!

تمہیں ہر حال میں اللہ کی بندگی کرنی ہے اور اس کی خاطر اپنے وطن اور اپنی سرزمین کو چھوڑنا پڑے تو بے دریغ ہجرت کر جاؤ۔ یہاں سورۂ بنی اسرائیل میں بھی ہجرت کا اشارہ دے دیا: ﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْهَا﴾ اور یہ لوگ تو اب تلے ہوئے ہیں اس پر کہ آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں اس سرزمین سے۔ ان مشرکین کی پوری کوشش ہے کہ سرزمینِ مکّہ سے آپؐ کو نکال باہر کریں۔ ان کے اس مذموم ارادے پر اللہ تعالیٰ نے نفیاً یہ نہیں فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکے گا، بلکہ صرف یہ فرمایا: ﴿وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ کہ پھر اس صورت میں یہ لوگ بھی یہاں زیادہ دیر رہ نہ سکیں گے، انہیں بھی یہاں پر اب زیادہ دیر تک تمکن حاصل نہ رہے گا۔ گویا کہ اشارہ ہو گیا کہ ہجرت کا وقت آ رہا ہے۔ لیکن آپؐ کے یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد یہ ابوجہل، یہ ابولہب، یہ ولید بن مغیرہ، یہ عقبہ بن ابی معیط، یہ عتبہ بن ربیعہ، یہ سب لوگ زیادہ دیر اس مکّے کی سرزمین میں آباد نہ رہیں گے، یہ بہت جلد کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔ فرمایا: ﴿سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا ﴾ یہ ہمارا مستقل ضابطہ اور قاعدہ ہے ان تمام رسولوں کے بارے میں کہ جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا اور ہمارے اس ضابطے میں تم کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پھر جس طرح سورۃ العنکبوت کے درس میں یہ بات ہمارے سامنے آئی تھی کہ اس طرح کی کٹھن اور مشکل صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمان کا اصل سہارا نماز اور ذکرِ الٰہی ہے' اسی طرح یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اگلی آیت میں نماز کی تاکید ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ نماز قائم رکھو سورج کے ذرا ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہو جانے تک! ظہر سے عشاء تک چونکہ اوپر تلے نمازیں آتی ہیں لہٰذا ان نمازوں کا ذکر اس انداز میں کیا گیا۔ ذہن میں رکھئے کہ اس سورۃ یعنی سورۂ بنی اسرائیل میں معراج کا ذکر ہے اور معراج ہی میں پانچ نمازوں کی فرضیت کا معاملہ ہوا۔ سورج کے ذرا ڈھلنے کے بعد سے لے کر ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں پے بہ پے آتی ہیں' گویا کہ نماز قائم رہتی ہے۔ جو انسان نماز باجماعت کا پابند ہو وہ وقفے وقفے سے مسجد جاتا اور آتا ہے۔ چار نمازوں کا ذکر یوں ہوا اور پانچویں نماز یعنی نماز فجر کا تذکرہ ایک منفرد شان سے ہوا: ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ اور قرآن پڑھنا فجر کا۔ کیونکہ اس میں طویل قراءت کا خاص اہتمام ہوتا ہے' دیگر نمازوں کے مقابلے میں قرآن مجید کا زیادہ حصہ پڑھا جاتا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا: ﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ﴾ واقعہ یہ ہے کہ فجر کے وقت قرآن کی جو تلاوت ہوتی ہے اس پر موجودگی ہوتی ہے' یعنی قلب بھی حاضر ہوتا ہے اور جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں' رات اور دن دونوں اوقات کے فرشتوں کا اس وقت اجتماع ہوتا ہے۔

فرض نمازوں کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ﴾ اور اے نبی (ﷺ)! ایک چیز آپؐ کے لئے اضافی طور پر لازم ہے۔ رات میں بھی آپؐ کھڑے رہا کریں اس قرآن کے ساتھ۔ قرآن کے ساتھ رات کو جاگنے اور قیام کرنے کا حکم بالکل ابتداء میں بھی آچکا تھا: ﴿قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ (سورۃ المزمل) یہاں گویا کہ دوبارہ اس کی تاکید ہو رہی ہے کہ آپؐ کے لئے بالخصوص یہ رات کی نماز بہت ضروری ہے۔ ساتھ ہی ایک بشارت بھی دے دی: ﴿عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ

© rasailojaraid.

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۞﴾ کہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ کا ربّ آپ کو مقامِ محمود عطا فرمائے۔

ابھی تک سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیات ہم نے پڑھی ہیں ان میں صرف ایک رواں ترجمہ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے تاکہ مضمون یہاں تک پہنچ جائے کہ جہاں ہجرت کا حکم وارد ہوا ہے۔ اگلی آیت میں یہ حکم بشکلِ دعا وارد ہوا ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۞﴾

''اور اے نبی! اپنے ربّ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے ربّ! مجھے داخل کر سچائی کا داخل کرنا اور مجھے نکال سچائی کا نکالنا اور میرے لئے خاص اپنے خزانۂ فضل سے وہ غلبہ وقوت عطا فرما جو میری پشت پناہ بنے۔''

یہ اللہ کی طرف سے اس انداز میں دعا کی تلقین دراصل اس کی پیشگی قبولیت کے اعلان کے طور پر ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک بشارت ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو کہ اب آپؐ کی دعوت ایک دوسرے مرحلے میں داخل ہونے والی ہے۔ اب وہ دَور آیا چاہتا ہے کہ جس میں وہ سرزمین کہ جو آپؐ کی دارالہجرت بننے والی ہے' وہاں آپ کو تمکن اور غلبہ واقتدار حاصل ہوگا اور اس طرح غلبۂ دینِ حق کی راہ ہموار ہوگی۔ اور کچھ عرصے بعد بالآخر وہ صورت ہو جائے گی کہ حق کا بول بالا ہوگا اور باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کی بشارت اگلی آیت میں موجود ہے: ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۞﴾ ''اعلان کر دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا۔'' یہ تھوڑا سا وقتی غلبہ جو بظاہر باطل کو حاصل ہے اس سے انسان وقتی طور پر متاثر بھی ہو جاتا ہے اور یہ بھی درحقیقت اہلِ حق کی آزمائش کے لئے ہوتا ہے' ورنہ باطل کے لئے ثبات کہاں؟

یہ ہیں وہ مراحل کہ جن سے نبی اکرم ﷺ گزر رہے تھے۔ مکّی دور کا ایک اجمالی سا نقشہ رکھ دیا گیا کہ کس کس پہلو سے اور کس کس گوشے سے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر آزمائش آئی اور کس کس اعتبار سے صبر اور مصابرت کی ضرورت پیش آئی۔ بہرحال اس مکّی دور کا جو نقطۂ اختتام ہے اسے یوں سمجھئے کہ ان ساری مصالحتی کوششوں کو ان کے

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

پیش کرنے والوں کے منہ پر مار کر ان سے دوٹوک الفاظ میں اعلانِ براءت کیا گیا۔ اس راہ میں اگر تشدد ہوا تو اس کو پامردی سے سہا' فقر و فاقہ آیا تو اسے جھیلا' قید و بند آئی تو اسے برداشت کیا' پتھراؤ ہوا تو اس کو انگیز کیا' لالچ دیا گیا تو اس کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے رہے' مصالحت کی پیشکش ہوئی تو اس کو ٹھکرایا اور آخری اعلان براءت ان الفاظ میں ہوا۔

﴿قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ۞ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۞ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۞ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۞ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۞﴾

یہ اعلانِ براءت سورۂ زمر میں بہت ہی شدت کو پہنچ گیا ہے۔ یوں کہیے کہ اس کا نقطۂ عروج یہ مقام ہے ﴿قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ ۞﴾ اے نادانو' اے کم علمو اور ناسمجھ لوگو' اے جاہلو! کیا تم مجھے یہ حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو پوجنے لگوں؟ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو تو درحقیقت تمہاری یہ کوشش اور تمہاری یہ توقع سراسر باطل ہے۔ یہ جماؤ' یہ صبر' یہ تحمل اور یہ مصابرت ہی دراصل اس راہ میں درکار ہے۔ وَآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العالمین!

© rasailojaraid.c

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ العالی

کے جامع خطاب پر مشتمل کتاب

مروجہ تصوف یا سلوکِ محمدی؟

یعنی

احسانِ اسلام!

شائع کردہ : **مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**

۳۶' کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: ۰۳-۵۸۶۹۵۰۱

© rasailojaraid.c